ĪQĀN- Vol.: 03, Issue: 02, Jun-2021
DOI: 10.36755/iqan.932.2021-PP: 145-162

OPEN ACCESS
ĪQĀN
pISSN: 2617-3336
eISSN: 2617-3700
www.iqan.com.pk

معاصر فکری کشمکش میں دعوتِ دین کے جدید تقاضے اور حکمت عملی

Contemporary Intellectual Conflict and Modern Requirements for Da'wah and Strategies

Dr. Faridah Yousuf < *faridahyousuf@gmail.com* >
Associate Professor, Department of Islamic Studies,
Bahauddin Zakariya University, Multan, Pakistan.
Dr. Naseem Akhtar < *khtr_nsm@yahoo.com*>
Assistant Professor, Department of Islamic Studies,
Shaheed Benazir Bhutto Women University, Peshawar, Pakistan.

Version of Record
Received: 11-Mar-21; **Accepted**: 01-Jun-21; **Online/Print**: 30-Jun-21

ABSTRACT

Islam as the last seal of revealed religions is obligatory in Islam for its followers to preach and spread the last and final message of Allah to the world. Globalization made it much easier to interact with different sects, ethnic groups, nations, and religions; which results in a dire need to put more effort into spreading the message of Islam. Though it is a fact that besides the sincere efforts of different preaching groups of Islam the required results are still needed to be achieved. That's why it is important to made reforms in the methods of preaching to face and counter the challenges of contemporary scenarios. This article focuses on the responsibility of the preacher and objectives of preaching so the preacher clearly understands the objectives behind the spreading of the message of Islam and exerts his/her all abilities to fulfill the task. Because in recent times to convey the message of Islam the preacher have to face many challenges and problems. That is why the preaching should be given with wisdom, humility, sincerity, persistence, and according to the environment. In the end, this study focuses on the strategies of preaching so preachers understand the basic elements of preaching to attain the required result.

Keywords: *Islam, preaching, methods, challenges, globalization.*

CC BY

تعارف:

دعوت الی اللہ امت مسلمہ کے لیے فرض کفایہ کا درجہ رکھتی ہے۔ دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری پوری انسانی تاریخ میں جاری رہی۔ قرآن کا بیان ہے کہ اللہ نے انسان کی فطرت میں نیکی کو اختیار کرنے اور بدی سے بچنے کی خواہش ودیعت کر دی ہے پس اس نے فلاح پائی جس نے اس میں اچھائی کو نشو نمادی اور جس نے اس کو گناہوں سے ڈبوئے رکھا وہ نامراد ہوا[1]۔ لیکن اس کے باوجود اللہ نے ہدایت و ضلالت کا معاملہ تنہاانسان کی فطرت پر نہیں رکھا۔ تاکہ انسان یہ عذر پیش نہ کرسکے کہ اس کو سچائی کا راستہ معلوم نہیں تھا: لہٰذاہر نبی نے اپنے دور میں فریضہء تبلیغ ادا کیا۔اللہ نے انبیاء کو اس مقصد کے لیے منتخب کیااور فرشتوں کو انبیاتک پیغام پہنچانے کا ذریعہ بنایا[2]۔ دعوت کی بات کو اللہ نے بہترین بات قرار دیا[3]۔ شیخ محمد رشید رضا نے لکھا ہے خیر کی دعوت دینا، نیکی کا حکم دینا،اور برائی سے روکنا اگرچہ مصائب وخدشات سے بھرا ہوا راستہ ہے لیکن یہی انبیاء ورسل اور سلف صالحین کا ثابت شدہ طریقہ ہے۔ان میں سے کتنے ہی نبی اور صدیق اس راہ میں قتل کئے گئےاور تمام شہداء میں سے افضل قرار پائے[4]۔بقول مولانا مودودی انبیاء نے جو بنیادی اصلاح کی وہ دراصل انسان کو جھوٹے خداؤں کی بندگی سے نجات دلانے کا مشن ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''انکا مقصد دراصل یہ تھا کہ جو انسان انسانیت کی حد سے آگے بڑھ گئے ہیں انکو دھکیل کر پھر اسی حد میں واپس پہنچائیں اور جو اس حد سے نیچے گرادئے گئے ہیں انہیں ابھار کر واپس اسی حد میں لائیں اور سب کو ایسے عادلانہ نظام کا پابند بنائیں جس میں نہ کوئی انسان کسی دوسرے انسان کا عبد ہو نہ معبود بلکہ سب ایک اللہ کے بندے بن جائیں۔ ابتداء سے جتنے انبیاء دنیا میں آئے ان سب کا ایک ہی پیغام تھااور وہ یہی تھا''[5]

قرآن انبیا کی کا ذکر کرکے دعوت کے مضامین کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ سب سے پہلے انبیا نے توحید کی دعوت دی[6]۔ عبودیتِ الٰہی اور شرک سے بچنے کی نصیحت کی۔ حضرت شعیبؑ نے اس کے ساتھ اپنی قوم کو ناپ تول میں میں امانت داری، دیانت اور معاشرے میں امن کے قیام کی نصیحت کی[7]۔ حضرت نوحؑ سے لے کر مزید کئی انبیا کی دعوت و تبلیغ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ان تمام قوموں کے لیے ہر قوم کے حسب حال ہدایات دی گئیں۔ جیساکہ قران کے دیگر مقامات سے ان اقوام کے تفصیلی حالات کا بیان ملتا ہے۔ حضرت نوحؑ کی قوم اللہ کے وجود کی منکر نہ تھی بلکہ شرک میں مبتلا ہو گئی تھی۔اللہ کے ساتھ دوسری ہستیوں کو اختیار اور عبادت کے حق میں حصہ دار بنانے کی وجہ سے کئی دوسری خرابیاں بھی اس قوم میں پیدا ہو گئیں۔

مزید ایک طبقہ معاشی وسیاسی اقتدار کا مالک بن بیٹھا۔ قومِ عاد میں شرک کے ساتھ ناشکری کا مرض عام ہو گیا۔ قومِ ثمود میں شرک کے ساتھ تکبر اور ظلم کے امراض عام ہو گئے۔ قومِ لوط میں شرک کے علاوہ جنسی برائیں عام ہو گئیں۔ قومِ شعیب میں شرک کے ساتھ تجارتی معاملات میں بد یانتی کا گناہ رائج ہو گیا۔ ان سب انبیاء نے اپنی اقوام کو ان کی برائیوں کی اصلاح کی دعوت دی۔ یعنی گذشتہ تمام انبیاء نے اپنے اپنے زمانے میں فریضہ دعوت ادا کیا۔اسی طرح آپ ﷺ نے اس عظیم ذمہ داری پورا کیا۔قرآن نے صراحت سے آپ ﷺ کی بعثت، انذار وتبشیر کو تمام انسانیت کے لیے عام کیا ہے۔[8] نبی کریم ﷺ کو اللہ نے خطاب کرکے فرمایا

> ' فَلِذَلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ "[9]

"پس آپؐ لوگوں کو اسی کی طرف بلاتے رہیں اور جیسا کہ آپؐ کو حکم دیا گیا مضبوطی سے جم جایئے اور ان کی خواہشوں پر نہ چلیں"

اس آیت مبارکہ میں آپؐ کو دعوت کے فریضہ کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے۔ مزید اس کا منہج بھی بتایا جارہا ہے کہ آپؐ اللہ کی طرف سے دیے گئے حکم کے مطابق ان کو دعوت دیں اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں، یعنی دینِ حق؛ جو کہ تمام انبیا کا مشترک دین ہے۔ اسی کی دعوت دیں۔ نبی کریم ﷺ نے فریضہء دعوت کو کماحقہ انجام دیا اسکی شہادت خود اللہ نے قرآن میں دی کہ بے شک آپؐ ان کو سیدھے راستے کی طرف دعوت دیتے ہیں[10]۔ آپؐ میں اتنی تڑپ تھی کہ اس تڑپ پر اللہ تعالیٰ آپؐ کو تسلی دی کہ اپؐ بہترین طور پر اپنا فریضہ ادا فرمارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا آپؐ اپنے آپ کو ہلاک کر لیں گے اگر یہ ایمان نہ لائیں[11]۔ نبی کریم ﷺ کے بعد یہ فریضہ امت کے سپرد ہے۔ اللہ نے حضور ﷺ کو حکم دیا کہ آپؐ اعلان فرمادیجئے یہ میرا راستہ ہے اور میں اور میرے پیروکار پوری بصیرت کے ساتھ اسی کی طرف دعوت دیتے ہیں[12]۔ یعنی آپؐ کے پیروکار فریضہ دعوت میں آپؐ کے ساتھ شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اس شرف سے فیض یاب کیا کہ یہ امت کارِ دعوت میں نبی کی معاون ہو۔ اسی ضمن میں ارشاد فرمایا:

"كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ "[13]

"تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی بھلائی کے لیئے نکالی گئی ہو۔ تم لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"

امت مسلمہ کا مقصدِ بعثت عوام الناس کی فلاح، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور ایمان باللہ بتایا جارہا ہے۔ مولانا اصلاحی نے اس آیت سے امت مسلمہ کے خیر امت ہونے کی دلیل اخذ کی ہے۔ یعنی درج بالا فرائض کی بجاآوری کی وجہ سے ہی خیر امت ہونے کا منصب عطا ہو رہا ہے۔ یہ منصب نسل و نصب کی بنا پر عطا نہیں ہوا، جیسا کہ اہل کتاب نے تمام اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطاعت کی شرط پر عطا کی جانے والی مراعات اور مناصب کو ذاتی اور دائمی استحقاق سمجھا۔ اس امت کو بھی یہ سمجھا دیا گیا کہ یہ منصب امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ذمہ داری کے ساتھ مشروط ہے[14]۔ رسول اللہ نے اپنے بہت سے ارشادات میں امت کو دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری کی طرف توجہ دلائی۔ خطبہ حجۃالوداع کے موقع پر آپ نے فرمایا کہ جو موجود ہیں وہ ان تک یہ باتیں پہنچائیں جو موجود نہیں ہیں[15]۔ امت مسلمہ کو اللہ نے امت وسط بنایا یعنی یہ امت پیغمبر کی طرف سے تمام قوموں کی طرف بالواسطہ طور پر دعوت پہنچانے پر مامور ہے[16]۔

امت وسط سے مراد سیدھی راہ پر چلنے والی امت ہے۔ مولانا مودودی کی رائے میں یہ اصطلاح نہایت وسیع مفہوم کی حامل ہے۔ یعنی ایک ایسا گروہ جو عدل و انصاف کی راہ پر قائم ہو۔ اور امت مسلمہ کو اس لیے یہ منصب عطا کیا گیا کیونکہ رسول اللہؐ کی رسالت آخری ہے۔ اس لیے روز قیامت آپؐ نے تمام امتوں کے حوالے سے شہادت کا فریضہ ادا کرنا ہے اور آپؐ کی نیابت میں امت مسلمہ نے عام انسانوں پر شہادت کا فریضۃ ادا کرنا ہے۔ کہ جو کچھ رسول نہیں اس امت کو دیا، یہ امت اس کو تمام انسانوں تک پہنچانے میں کامیاب ہوئی۔ یہ منصب در اصل بہت بڑی ذمہ داری ہے یعنی اس امت کو تمام دنیا کے لیے قول اور عمل ہر چیز سے نمونہ عمل بننا ہے۔ تمام دنیا کے

انسانوں تک ہدایت پہنچانے کی ذمہ داری پوری نہ کرسکے تو ہم شہادت علی الناس کی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکیں گے اور اس کا حساب سخت ہوگا۔[17] مولانا وحید الدین لکھتے ہیں:

"دوسری قوموں کے مستقبل کا انحصار اس بات پر ہے کہ وہ اللہ کے دین کو اپناتی ہیں یا نہیں جبکہ امت مسلمہ کے مستقبل کا انحصار اس پر ہے کہ وہ اللہ کے دین کی دعوت کو لے کر اٹھتی ہے یا نہیں۔ دوسری قوموں کی نجات کسی دوسرے دین کو اختیار کرنے سے نہیں ہو سکتی اسی طرح امت مسلمہ کی نجات کسی اور میدان میں عمل کرکے نہیں ہو سکتی خواہ وہ اس میں بڑے کارنامے دکھائے۔ حتی کہ صرف نماز روزہ نجات کے لیے کافی نہیں"[18]

سید سلمان ندوی کے مطابق بھی عبادت نجات کے لیے کافی نہیں جب تک کہ اسلامی نظام عملاً قائم نہ کر دیا جائے[19]۔اس عظیم ذمہ داری کا تقاضا ہے کہ داعی کو اس مقصد کی اہمیت، طریقِ کار اور اسالیب و وسائل سے پوری آگاہی حاصل ہو۔

عصری تناظر میں دعوت و تبلیغ کے تقاضے:

فریضہ دعوت کے مسلسل جاری رہنے کے باوجود کار دعوت کے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہو رہے۔اس صورتحال میں دعوت کے تقاضوں کا عصری تناظر میں جائزہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ موجودہ دور میں دنیا کے بڑے بڑے مذاہب میں عیسائیت اور اسلام تبلیغی مذاہب ہیں۔ یہودیت نسلی اور ہندومت ایک بڑا مذہب ہونے کے باوجود علاقائی مذہب ہے۔اس وقت دنیا میں مختلف مذاہب کے حاملین کا تناسب کچھ یوں ہے:

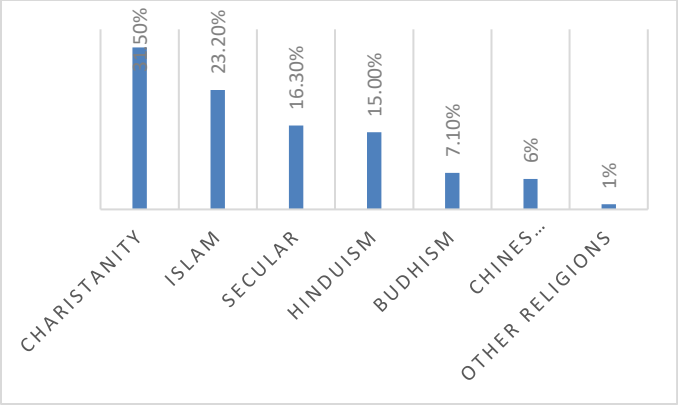

اس وقت مسلمان دنیا کی تقریباً سات ارب آبادی میں سے ایک اشاریہ نو ارب ہیں، جب کہ عیسائی دو اشاریہ تین ارب پر مشتمل ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ دنیا کی سوا پانچ ارب آبادی مسلم دنیا کے لیے مدعو کی حیثیت رکھتی ہے۔اگرچہ مسلم عقیدے کی رو سے نصرانیت بھی یہودیت کی طرح بنی اسرائیل کی طرف آنے والا مذہب تھا۔ نیز اس کی آفاقی حیثیت بھی مسلمہ نہیں تھی، تاہم عصرِ حاضر میں نصرانیت کو بھی تبلیغی مذہب ہونے کا دعوی ہے۔اور فی زمانہ عیسائیوں کی تعداد مسلمانوں سے بھی زیادہ ہے۔ گذشتہ صدی میں نصرانیت نے مشنری اسالیب اپنائے اور تبلیغ کی بنیاد پر دنیا میں دو عیسائی ریاستیں (ایسٹ تیمور اور جنوبی سوڈان میں) قائم کرالیں۔اس

تناظر میں مسلم اقوام و ملل کی تبلیغی مساعی کا کوئی ایسا کامیاب نتیجہ ظاہر نہیں ہوا۔ یہ نتائج اس لیے بھی حیرت کا باعث ہیں کہ مسلمانوں کی گذشتہ کئی صدیوں کی تاریخ میں نتائج اس سے مختلف رہے ہیں۔ ایک مفکر کی رائے میں ؛ اگرچہ مسلمانوں میں عیسائیوں کی طرح کل وقتی مشنری مبلغ نہایت کم رہے ہیں مگر اس کے باوجود وہ عیسائیوں سے زیادہ تبلیغی خدمات انجام دیتے رہے ہیں مثلاً عیسائیوں کے برخلاف مسلمانوں کا کسان، مزدور، تاجر حتی کہ گلہ بان تک جز وقتی مبلغ ہوتا رہا ہے۔ حد یہ ہے کہ سیاسی یا مسلکی اختلاف کے باعث جیلوں میں رکھے جانے والے اہلِ علم بھی درجنوں کی تعداد میں غیر مسلموں کو اپنے دین میں داخل کرکے نکلتے رہے ہیں۔ نہ صرف مرد بلکہ عورتیں بھی یہ کردار ادا کرتی رہی ہیں۔ اور وہ یہ سب محض وعظ و نصیحت سے ہی نہیں کرتے بلکہ اپنے عملی رویہ سے بھی کرتے ہیں۔[20]

عصر حاضر میں دنیا کے گلوبل ویلج بن جانے کے بعد فاصلے ختم ہو گئے ہیں۔ علم، نظریہ اور رویے پس پردہ نہیں رکھے جا سکتے۔ مشرق میں موجود لوگوں کے نظریات پر مغرب میں بیٹھے لوگ تنقید کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے ملک اور گھر میں موجود افراد لاکھوں میل دور بیٹھے افراد سے متاثر ہو کر اپنے عقائد و نظریات میں مشکوک ہو رہے ہیں۔ اس تناظر میں دعوت کے تین بنیادی تقاضے ضروری معلوم ہوتے ہیں۔ دعوت کے موضوع کا تعین، دعوت کے مدعو کا تعین اور دعوت کے لیے ضروری ذرائع و وسائل کا تعین۔

دعوت کا موضوع:

فی زمانہ مختلف نظریات و افکار سے ہر عام و خاص کو سابقہ پیش آتا ہے۔ گذشتہ صدی میں دنیا میں کئی ازم عام ہوئے ہیں۔ سوشلزم یا کمیونیزم نے اگرچہ براہ راست متاثر تو معیشت کو کیا تاہم نظریات و افکار میں بھی تبدیلی پیدا کی۔ مگر اس وقت مسلم دنیا کو ایتھی ازم سے واسطہ ہے۔ دنیا میں تیزی سے لادینیت کو فروغ ہو رہا ہے۔

لادینیت:

مغرب میں اس تصور کو بہت توجہ دی جا رہی ہے کہ انسان کسی بھی مذہب کے بغیر پر امن زندگی گزار سکتا ہے۔ لہٰذا مذہب کو چھوڑ دیا جائے۔ اس تصور سے مسلم دنیا کی نئی نسل بھی متاثر ہو رہی ہے۔ اس وقت دعوت کا بنیادی تقاضا ان عوامل پر غور کرنا ہے جو ارتداد کا باعث بن رہے ہیں۔ اس وقت غیر مسلم مرتدین سے زیادہ خطرناک سابقہ مسلم مرتدین ہیں۔ کیونکہ ان کو بیرونی دنیا میں قابلِ اعتبار حوالہ خیال کیا جا رہا ہے۔ ان کو اسلام کے خلاف مواد مہیا کرنے کے لیے نہایت اہم سمجھا جاتا ہے اور ان کو دیگر متذبذب لوگوں کے لیے بطور حوالہ پیش کیا جاتا ہے۔ ان میں ایک صومالی خاتون ایان حرسی علی ہے۔ جو مغرب میں بہت مقبول ہے۔ اس نے لادینیت کے فروغ کے لیے چار کتب لکھی ہیں[21]۔ ہارورڈ کینیڈی سکول میں یہ مذاہب پر گفتگو کے لیے ایک حوالہ ہے۔ اس کا خیال ہے کہ اسلام کو موجودہ دنیا میں اپنا وجود باقی رکھنے کے لیے بنیادی تبدیلیاں کرنی چاہیں جن میں حدود و تعزیرات اور جہاد وغیرہ کا خاتمہ شامل ہے۔

علی رضوی ایک پاکستانی کینیڈین ہیومنسٹ ہے۔ اس نے بھی ارتداد پر کتاب لکھی ہے[22]۔ سب سے زیادہ متحرک مرتد؛ پاکستان نژاد برطانوی ابن رواق ہے۔ یہ شخص ارتداد کی تشہیر کے لیے کم و بیش بارہ کتب کی تحریر میں شامل ہے[23]۔

ان سب کا زور ان نظریات پر ہے کہ اسلام بنیادی طور پر ایک جارحانہ اور غیر انسانی مذہب ہے۔ قرآن و حدیث میں متشددانہ احکامات دیے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ساری دنیا میں مسلمان تشدد کی کاروائیوں میں ملوث ہیں۔ مزید یہ کہ اسلام قدیم ہو گیا ہے اس میں جدید دنیا کا ساتھ دینے کی گنجائش نہیں ہے۔ موجودہ زمانہ سائنس کا ہے جب کہ قرآن توہمات پر مشتمل ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ لوگ دہریت کو فروغ دے رہے ہیں۔ ان کے خیال میں خدا کا وجود ہی محلِ نظر ہے۔ اسلام دشمن عناصر کا ہمیشہ سے ہی یہ رویہ رہا ہے کہ مسلمانوں کو خدا اور رسول کی ذات کے متعلق شکوک و شبہات میں ڈالا جائے۔ قرآن و حدیث کو مشکوک بنا دیا جائے۔

سوشل میڈیا کے عروج کے عہد میں متذبذب افراد کو مرتدین مزید مشکوک کر رہے ہیں۔ مشکوک افراد کے شک اور تذبذب کے اسباب کا جائزہ لینا بہت ضروری ہے۔ ان لوگوں کے انٹرویوس سننے سے معلوم ہوا کہ بنیاد پرست مسلمانوں نے جو اسلام کا سخت تصور پیش کا اس کی وجہ سے وہ اسلام سے دور ہو گئے۔ جیسا کہ محمد سعید اشماوی[24] جیسے لبرل قانون دان اور فقیہ نے آزاد خیال تعبیرات پیش کیں۔ مگر اس طرح کے نقطہ نظر رکھنے والوں کو بنیاد پرست گروہ کیطرف سے شدید اختلافات اور مشکلات کا سامنا رہا۔ تاہم اس طرح کے نظریاتیت، مواد اور ترجیحات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ارتداد صرف ایک عقائیدی مسئلہ نہیں بلکہ سیاسی مسئلہ بھی بن گیا۔

درج بالا صورتحال یہ واضح کر رہی ہے کہ دین کا درست فہم نہ ہونے کے باعث دین کی دعوت بجائے دین کے فائدے کے نقصان کا باعث ہے۔ یہ صورتحال تقاضا کرتی ہے کہ داعی کو ظاہری شریعت کے علم کے ساتھ علم اسرار الدین سے بھی واقفیت ہونا ضروری ہے۔ مفسرین، محدیثین، فقہا اور حکما کا دعویٰ ہے کہ شریعت کے احکام مصلحتوں کی بنا پر ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض اوقات یہ مصلحتیں انسان کی سمجھ میں آتی ہیں اور بعض اوقات نہیں آتیں۔۔ ڈاکٹر غازی صاحب کے بقول اللہ نے احکامِ شریعت کی پابندی میں انسان کی فلاح، خوشی، زندگی میں توازن اور جان و مال اور عزت کی حفاظت وغیرہ کی حکمتیں کارفرما رکھی ہیں۔ بعض علما نے ان مصالح کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس ضمن میں بہت سی کتب لکھی گئیں مگر چار کتب بہت اہم ہیں۔ ایک کتاب علامہ عزالدین بن عبد السلام کی قواعد الاحکام فی مصالح الانام ہے۔ دوسری علامہ ابن قیم کی اعلام الموقعین ہے تیسری ابو اسحاق شاطبیؒ کی الموافقات ہے اور چوتھی امام شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغہ ہے۔ ان کتب میں عقلی اور منطقی دلائل سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ہر حکم کے پیچھے کوئی مصلحت ہے۔ اور پھر یہ واضح کیا کہ وہ کیا ہے[25]۔ داعی کے لیے علم اسرار الدین میں گہرا درک ضروری ہے۔

ارتداد کی وجوہات میں سے ایک اہم وجہ کمزور روایات کا نقل کرنا بھی ہے۔ یہ کمزور روایات ہر دور میں دین کو نقصان پہنچانے کا باعث بنی ہیں۔ مثلاً حضرت عائشہ کے نکاح کی عمر ہر عہد میں اعتراض کا موضوع بنی ہے۔ کبھی مستشرقین نے اس روایت کا فائدہ اٹھایا اور کبھی دیگر دشمنوں نے اس کو بنیاد بنا کر رسول اللہؐ کی شان میں گستاخی کی۔ برصغیر میں رنگیلا رسول نامی کتاب لکھی گئی۔ ان سب معترضین کو مواد تو ہماری امہات الکتب سے ہی ملا ہے۔ آج کا نوجوان بھی یہ بات سمجھنے سے قاصر ہے کہ ترپن سالا شخص نو سال کی بچی سے کیسے نکاح کر سکتا ہے۔ یہاں علم درایت کی ضرورت پڑتی ہے۔ داعی کے لیے ایسے موضوعات کا خود بہتر انداز میں سمجھنا نہایت ضروری ہے تاکہ وہ دوسروں کو سمجھا سکے۔ عصرِ حاضر کے ایک سیرت نگار قاضی عبد الدائم نے اس گرہ کو سلجھایا ہے۔ انہوں نے روایت اور درایت دونوں اصولوں کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ نکاح کے وقت حضرت عائشہ کی عمر چھ سال نہیں بلکہ سولہ سال تھی اور رخصتی کے

وقت ان کی عمر نو سال نہیں بلکہ انیس سال تھی۔ انہوں نے اس عمر کا تعین حضرت عائشہ اور ان کی بڑی بہن حضرت اسما کی عمر کے فرق سے بھی استدلال کیا ہے کیونکہ حضرت اسما ہجرت کے وقت اتنی بڑی تھیں کہ وہ غار میں کھانا دینے آئیں۔ اس کے علاوہ حضرت عائشہ کی عمر کا بیان صحیح بخاری کی چار، مسلم کی دو اور سنن ابی داود کی ایک روایت میں آیا ہے۔ ان سب روایتوں کا پہلا راوی ہشام ہے۔ اسکے بارے میں کلام ہوا ہے کہ اس کو بعد میں بھولنے کی بیماری ہو گئی تھی[26]۔ وغیرہ۔ نوجوان نسل کو رسول اللہؐ کے بارے میں شکوک میں مبتلا کرنے والی یہ بنیادی روایت ہے۔ اگر عصر حاضر کا داعی اس طرح کے اعتراضات سے بخوبی اگاہ ہو تو مشکوک لوگوں کے شک دور کر سکتا ہے۔

اسی طرح کی ایک اور حدیث میں جو کہ حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے بدشگونی یا نحوست کے تین چیزوں ; عورت، گھر اور مویشی متعلق ہونے کا ذکر ہے[27] مگر یہ روایت جب حضرت عائشہ کے سامنے پیش کی گئی تو انہوں نے کہا کہ اللہ ابن عمر پر رحم فرمائے وہ جھوٹے تو ہر گز نہیں ہیں۔ مگر رسول اللہؐ عہدِ جہالت کی بات کر رہے تھے کہ لوگ اس طرح کی چیزوں پر اعتقاد رکھتے تھے۔ یعنی حضرت عائشہ نے جو بیان کیا وہ اس کا بالکل برعکس معنی تھا[28]۔

بدشگونی، بدفالی، یا نحوست وغیرہ سے متعلق روایات عصرِ حاضر میں داعی کے لیے مہارت حاصل کرنے کا ایک اور میدان ہیں۔ ملحدین کا دعویٰ ہے کہ اسلام گزشتہ زمانے کی چیز ہے اس میں نئے زمانے کا ساتھ دینے کی صلاحیت نہیں ہے۔ یہ سائنس کا دور ہے۔ لہٰذا ایسی روایات جو غیر سائنسی اسلوب رکھتی ہیں ان کا علمِ روایت و درایت کی روشنی میں محاکمہ کر سکنا داعی کے لیے ضروری ہے۔ بصورتِ دیگر وہ معترضین کو مطمئن نہیں کر سکے گا۔

اسلاموفوبیا:

فی زمانہ دعوت کا ایک اہم موضوع اسلاموفوبیا ہے۔ ملحدین یا مرتدین اسلام کو متشدد اور ظالم ثابت کر کے امن پسند انسانوں کو اس سے متنفر کرنے میں مصروف ہیں۔ اسی تحریک کا نتیجہ ہے کہ پچھلے کئی سالوں میں دنیا میں مختلف ممالک میں مسلمانوں کے خلاف تشدد کے واقعات پیش آئے ہیں۔ مسلمانوں اور اسلام کے خلاف اس طرح کے جذبات کو باقاعدہ طور پر ابھارا جاتا ہے۔ CAIR کی رپورٹ کے مطابق (2014-2016) کے دوران 1096 ادارے 39 تنظیموں کو اسلاموفوبیانیٹ ورک پر کام کرنے کے لیے وسائل مہیا کر رہے تھے[29]۔ 1.5 بلین ڈالر سالانہ کی رقم صرف امریکہ میں خلاف اسلام سرگرمیوں کو جاری رکھنے کے لیے صرف کی جا رہی تھی۔ مختلف ممالک کے غیر جانبدار لوگوں کو اسلام کے خلاف پروپیگنڈے کے ذریعے پر تشدد کاروئیوں پر ابھارا جا رہا ہے۔ عصرِ حاضر کے داعی کے لیے ان حالات سے بخوبی واقف ہونا لازم ہے تاکہ وہ ان سرگرمیوں کا علمی اور عقلی اسلوب میں مدلل جواب دے سکے اور غیر جانبدار انسانوں کو مطمئن کر سکے۔ داعی کے لیے اسلام کی درست تعلیمات کو حکیمانہ اسلوب میں پیش کرنے کی ضرورت ہے۔

اسلام تمام معاشرتی معاملات کو مساواتِ نسل انسانی اور وحدت انسانیت کی بنیاد پر قائم کرتا ہے۔ معیارِ کرامت تقویٰ کو قرار دیتا ہے۔ انسانوں میں خاندانوں اور قبائل کی تخلیق کو محض پہچان کا ذریعہ بنانے کا سبب بتاتا ہے[30]۔ قرآن کی اس تعلیم کو عصرِ حاضر میں اس لیے نمایاں کرنے کی ضرورت ہے جب کہ دنیا اس وقت Racism اور Islamophobia کے Mindset کے ساتھ اسلام کی منفی تصویر

پیش کر رہی ہے۔ جس کے نتیجے میں نسل پرست گروہ مسلمانوں کو ظلم کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ جیسا کہ ماضی قریب میں فرانس میں ہوا۔ لہٰذا داعی کو یہ دیکھنا ہے کہ اس کی دعوت کسی ایسی بات کیطرف نہ ہو جو قرآن کے معیار فضیلت سے مختلف معیار قائم کرے۔ یا انسانوں کی فضیلت خاندانوں اور قبائل یا فرقوں اور گروہوں کی بنیاد پر رکھے، بجائے ایمان و عمل کے۔

2۔ مدعو کی ضروریات سے واقفیت:

موجودہ صورتحال کے پیشِ نظر مدعوئین کی درجہ بندی پر توجہ نہایت ضروری ہے۔ فریضہ دعوت کی ادائیگی میں دعوت کے مرجع کا متعین اور محکم ہونا نہایت اہم ہے۔ اس وقت مدعوئین کی قدیم تقسیم اور ترتیب کے علاوہ فوری اہمیت کا حامل یہ امر ہے کہ مسلم معاشروں میں نئی نسل کی ذہنی اور جذباتی ہم آہنگی نہ تو پچھلی نسل سے ہے اور نہ ہی اپنے علمی و تاریخی ورثہ کے ساتھ ہے۔ اس کے ساتھ گلوبلائزیشن اور ٹیکنالوجی کی فراہمی نے نئی نسل کو ایک ذہنی خلجان میں مبتلا کر دیا ہے۔ مسلم معاشروں کا نوجوان اپنی بنیادوں سے مضبوط وابستگی نہ ہونے کے ساتھ اسلام مخالف گروہوں کے پروپیگنڈے کا شکار ہو گیا ہے۔ وہ سائنس اور عقل کو حق مانتا ہے اور اپنے علمی و دینی ورثے کو عقل کا مخالف سمجھنے لگا ہے۔ کیونکہ مغربی ملحدین نے بالخصوص اور مرتدین نے بھی اسلام پر ایک بنیادی الزام ہی یہ لگایا ہے کہ اسلام اور دیگر مذاہب عقل اور سائنس کے دشمن ہیں۔ انہوں نے ڈارون کے نظریہ ارتقاء اور بگ بینگ تھیوری کی بنیاد پر خدا کے وجود کا انکار کیا ہے۔ لہٰذا مسلم اور دیگر مذاہب کا نوجوان اس وقت بے یقینی کا شکار ہے۔ اس وقت داعی کی ذمہ داری ہے کہ وہ نوجوان ذہن کو پڑھ کر اس کی ضروریات کا درست اور مکمل اندازہ لگائے۔ اس نئی صورتحال میں وہ داعی گروہ اور جماعتیں جو کہ اپنے پرانے نظم اور طریقوں کے مطابق اس فریضے کو انجام دے رہے ہیں وہ مطلوبہ نتائج کی توقع نہیں کر سکتے۔ اب ہر مسلمان کی ذمہ داری دعوت کے فرض کفایہ کے حوالے سے بہت بڑھ گئی ہے۔

3۔ دعوت کے لیے ضروری وسائل کا انتخاب:

دعوت کے اس نئے چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے لازم ہے کہ انہی ذرائع اور وسائل کو اختیار کیا جائے جن کے ذریعے وہ چیلنج اور مسائل پیدا کیے جا رہے ہیں۔ اس سلسلے میں مختلف دعوتی گروہوں نے اپنی اپنی ویب سائٹس بنائی ہیں۔ جن کے ذریعے وہ اپنے پروگرام اور پیغامات نشر کرتے ہیں۔ سوشل میڈیا پر اب بہت سے چینل ہیں جو اسلامی نظریات کو فروغ دینے کا کام کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف بلاگ ہیں جو خاص طور پر نوجوانوں کی راہ نمائی کے لیے کام کرتے ہیں۔ مختلف یوتھ بلاگز ہیں۔ دعوہ کے چینلز ہیں۔ تاہم مسلمانوں کی طرف سے جتنا کام کیا جا رہا ہے وہ بالکل ناکافی ہے۔ کیونکہ اس وقت جو افراد باقاعدہ طور پر دعوت کا کام کرتے ہیں وہ جدید ذرائع وسائل میں اتنے ماہر نہیں ۔ علماء جدید ٹیکنالوجی کم جانتے ہیں۔ نوجوان ٹکنالوجی جانتے ہیں مگر وہ علم شریعت اور اسرار و حکم میں اس قدر مہارت نہیں رکھتے کہ وہ متذبذب لوگوں کو مطمئن کر سکیں۔ جو کام اب تک علما انجام دیتے رہے ہیں وہ اب ہر تعلیم یافتہ فرد کو کسی نہ کسی دائرہ میں انجام دینا ہے۔ نیز مسلم مملک کے پاس وسائل اس قدر نہیں ہیں جس قدر وسائل اسلام دشمن ادارے مہیا کر رہے ہیں۔ ایک پہلو یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کا رویہ تاریخی طور پر یہ رہا ہے کہ وہ الحاد کے مباحث پر وسعت کے ساتھ مباحثہ نہیں کرنا چاہتے۔ مسلم علما کا رویہ یہ رہا ہے کہ گستاخانہ مباحث پر بات نہی کی جائے۔ گویا اس سے بھی گستاخی جنم لے گی۔ مگر اس اعراض کا نتیجہ یہی رہتا ہے کہ

وہ اس کی جزئیات کے جواب دینے میں مہارت مہیا نہیں کر سکتے۔ کیونکہ غیر مسلم ان مباحث پر بات کرنے سے ہر گز نہیں شرماتے نیز ان کے لیے گستاخی کی کوئی حیثیت نہیں۔ لہٰذا ان مباحث کو محتاط انداز میں تربیتی کورسز کا حصہ ہونا چاہیے۔

اس وقت ایتھی ازم کے جواب دینے میں اہم کردار حمزہ اینڈریس ادا کر رہے ہیں۔ جو ایک یونانی النسل برطانوی نو مسلم ہیں جو کہ فلسفیانہ انداز میں ملحدین کے جواب دیتے ہیں۔ اگرچ انہوں نے طالب علمی سے ہی اس کام کا آغاز کیا ہے تاہم وہ دنیا بھر کے معروف ملحدین سے مناظرے کر چکے ہیں۔ حال میں خدا کے وجود کے دلائل سے متعلق ایک کتاب بھی شائع کی ہے [31]۔ یوکے میں اسلامک ایجوکیشن اینڈ ریسرچ ایسوسی ایشن کے صدر بھی ہیں۔ دوسری معروف شخصیت عبداللہ اندلسی کی ہے۔ یہ نسلاً پرتگالی ہیں۔ اور عیسائیت سے مسلمان ہوئے ہیں۔ ان کا اختصاص سیاسی، معاشرتی اور قانونی پہلوؤں سے اسلام کا دفاع کرنا ہے۔ ملحدین کے علاوہ لادین اور دیگر نظریہ پرست گروہوں سے بھی مباحثہ کرتے ہیں۔ انہوں نے مسلم ڈیبیٹ انیشی ایٹو کی بنیاد رکھی۔ ان کے تمام لیکچرز اس ویب سائٹ پر موجود ہیں [32]۔ یہ دونوں اپنے اپنے دائرہ کار میں ملحدین کے ساتھ مخاصمہ کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اور بین الاقوامی شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ تاہم انہوں نے یہ مہارت اپنے تجربے سے حاصل کی ہے۔ اگرچہ اس مقام پر باقاعدہ عالم دین کی ضرورت ہے [33]۔ مگر اس وقت بالخصوص ملحدین اور مرتدین کے ساتھ بلاواسطہ مخاصمہ میں مصروف نہیں۔ تقابل ادیان کے حوالے سے ڈاکٹر ذاکر نائیک ایک طویل عرصے سے مکالمہ بین المذاہب کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ ان کے لیکچرز میں بھی ملحدین آتے ہیں اور وہ ان عقلی و نقلی دلائل سے مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بظاہر اکثر اوقات ان کے اجتماعات میں سائلین مطمئن ہونا قبول بھی کرتے ہیں۔

اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ دینی علوم اور سائنسی علوم کے حاملین کو ایک دوسرے کے قریب آنا ہوگا۔ تاکہ دنیا کو سائنسی بنیادوں پر مذہب کی ضرورت سے روشناس کرایا جاسکے اور ان کے اعتراضات کا مدلل جواب دیا جاسکے۔

فی زمانہ یہ صورتحال ہے کہ غیر مسلموں کو تبلیغ کرنے کے بجائے مسلماں ایک دوسرے کو مسلمان کرنے میں مصروف ہیں۔ جبکہ جن گروہوں سے اس وقت ان سب کو واسطہ ہے ان کے نزدیک اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کس گروہ کا اسلام دوسروں سے بہتر ہے۔

دعوت کے مواد کی ترجیحی بنیادوں پر ترتیب اور پیشکش وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اسلامی نظام حیات کی یہ خصوصیت اس کو دیگر تمام نظاموں سے ممتاز کرتی ہے: کیوں کہ یہاں دعوت ایسے نظام کی طرف دی جارہی ہے جس کی شرائط کم از کم اور مشترکات زیادہ سے زیادہ سے ہیں نیز یہ ایسا نظام ہے جس میں دنیا کے کسی بھی ملک، کسی بھی قوم اور کسی بھی زبان کے لوگ اس کو قبول کرکے ایک ملت بن جاتے ہیں۔

دعوت کی ذمہ داری کی عظمت کا اندازہ حضرت یونسؑ کے واقعہ سے بھی ہوتا ہے۔ آپؑ کو تنبیہ نماز یا روزے جیسے عمل میں کوتاہی پر نہ تھی بلکہ دعوت سے متعلق اجتہادی غلطی پر تھی۔ امت مسلمہ اگر فریضہء دعوت میں کوتاہی برتے گی تو سنگین سزا کی مستحق ہوگی۔ امت محمدیہ کی پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ خود دین پر قائم رہے اور اسکی دوسری ذمہ داری یہی ہے کہ وہ امت وسط کا کردار ادا کرتے ہوئے دوسروں کو بھی دین کی دعوت دے۔ اسلام ایک الٰہی پیغام ہے اور امت مسلمہ اس پیغام کی حامل ہے اس حقیقت کی طرف سے عام مسلمانوں کے علاوہ علماء و مشائخ تک نے اعراض و تغافل برتا اور اس حقیقت کو بالکل بھلا دیا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلمان خود کو دنیا کی

دیگر قوموں کی طرح کی ایک قوم یعنی وطنیت، نسل اور دیگر بنیادوں پر مبنی قوم سمجھنے لگے ہیں اور جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں تو وہ مذہب کو بنیاد سمجھتے ہیں۔ داعی کو اس بات کا خیال رکھنا ہے کہ وہ اسلام کی طرف دعوت دے۔ اسلام کے نام پر فرقہ بازی کو پھیلانے کا باعث نہ بنے۔ دورِ زوال میں فقہی اختلافات کو مسلکی اختلافات کی وجہ بنالیا گیا۔ فقہی اختلافات تو علم کے ارتقاء اور اضافے کا باعث تھے۔ فقہا نے آداب الخلاف کے نام سے باقاعدہ کتب لکھیں۔ نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے۔

"اختلاف الامتی رحمتہ"[34]

ترجمہ:۔ "میری امت کے علماء کا اختلاف رحمت ہے"

مگر دورِ زوال میں علماء کے صحت مندانہ اختلافات کو تفرقہ بازی کی شکل دے دی گئی اور وہ امور جن پر علماء نے دورِ عروج میں وسعت نظر کے ساتھ اختلافِ رائے اختیار کیا تھا: مقلدین نے اس کو جھگڑے اور فساد کی شکل دے دی۔ داعی کو اس بات کا خیال رکھنا ہے کہ وہ دین کی بنیاد کی طرف بلائے اور فروعی مسائل میں نہ الجھے اور نہ ان کی دعوت پر اپنی صلاحیتوں کو صرف کرے۔ یہ غیر دعوتی اسلوب کا رویہ ہے کہ دارالعلوم۔ ارشاد خداوندی اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقے میں نہ پڑو[35] کو پیشِ نظر رکھے۔ امت کا اتحاد عصر حاضر میں وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اتحاد علماء سے کئی بڑے بڑے مسائل حل ہوئے؛ مثلاً پاکستان بنانے کیلئے جب یہ مطالبہ کیا گیا کہ ملک میں اسلام نافذ کیا جائے تو سیکولر طبقوں کی طرف سے یہ بات آئی کہ کس فرقے کا اسلام نامزد کیا جائے۔ اس پر تمام قابل ذکر فرقوں نے ۲۲ نکات پر اتفاق کیا۔ بیسویں صدی کے چھٹے عشرے میں تمام فرقوں کے علماء نے اختلاف کے برخلاف اتحاد کی ایک مثال قائم کی۔ داعی کو ایسے امور کی طرف دعوت دینی چاہئے جو اصلِ دین ہوں اور جن پر سب کا اتفاق ہے۔ اسے کسی فرقے کی فروعات کی طرف دعوت نہیں دینی چاہئے۔ تیسری اہم بات یہ ہے کہ داعی کو شخصیات کی طرف دعوت نہیں دینی چاہئے بلکہ نظریات و تصورات کی دعوت دینی چاہئے۔ انبیائے کرامؑ کے علاوہ کوئی بھی انسان معصوم عن الخطاء نہیں۔ ہر انسان سے کسی غلطی کے صادر ہونے کا امکان ہوتا ہے۔ رد و قبول کا معیار شخصیات کو نہیں بلکہ حق ہونا چاہئے۔ شخصیت پرستی ہی وہ گمراہی ہے جو سابقہ امتوں میں بت پرستی پر منتج ہوئی۔ عربوں کے مشہور بتوں ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کے بارے میں تفسیر طبری میں لکھا ہے کہ یہ قوم نوح کے نیک آدمی تھے جب یہ وفات پاگئے تو انکے مریدین نے یہ چاہا کہ ہم ان کے بت بنالیں تاکہ یہ ہمارے لئے نیکیوں کی تحریک بن سکیں۔ بعد میں ان کے ان پیروؤں نے ان کی پرستش نہ کی تھی مگر جب وہ پیرو بھی فوت ہو گئے تو بعد والوں نے ان کی پرستش شروع کر دی اور اس طرح شخصیت پرستی سے بت پرستی شروع ہو گئی[36]۔ شخصیات کبھی بھی مقصود بالذات ہوتیں اصل مقصود اللہ تعالیٰ ہے اور نیک شخصیات اللہ سے تعارف کا ذریعہ ہیں۔ لہٰذا داعی کو اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہئے کہ اس کی دعوت شخصیات کی طرف نہ ہو بلکہ اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی جانب ہو۔

دعوت دینے میں جن چیزوں سے پرہیز کرنا ہے ان میں ایک رسم و رواج ہیں۔ رسوم و رواج سے انسانوں کی وابستگی کی وجہ سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ ایسا ہوتا آیا ہے۔ ان کے آباء واجداد ایسا کرتے آئے ہیں اور یہ ہرگز کافی دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ کسی غلط عمل کے

ہوتے چلے آنے سے وہ صحیح نہیں ہو جاتا۔ ہر دور میں انبیاء کی مخالفت محض اس بنیاد پر کی گئی ہے کہ ان کی تعلیم قوم کے بعض رسوم ورواج اور مسلمّات کے خلاف ہوتی ہے۔

"بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَى أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَى آثَارِهِمْ مُهْتَدُونَ"[37]

یعنی انبیا کی دی گئی دعوت اور ہدایت کے بالمقابل قوموں کا جواب یہی رہا کہ ہم نے جس نظام پر اپنے آباء واجداد کو پایا ہے ہم اس کے ساتھ جڑے رہیں گے۔ یہ کسی ایک قوم کا جواب نہیں تھا۔ بلکہ ہر نبی کو اس کی قوم نے یہی جواب دیا۔ اور آج بھی مختلف گروہوں کا جواب یہی ہوتا ہے۔ اسلام دین فطرت ہے۔ اگر یہ بعض رسوم ورواج کے خاتمے کی بات کرتا ہے تو انسانیت کی فلاح کے لئے کرتا ہے۔ لہٰذا رسوم ورواج کی طرف دعوت کوئی صحت مند کام نہیں ہے جس میں اپنی توانائیاں کھپائی جائیں۔

داعی کو اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ جس نظام کی طرف وہ دعوت دینے جارہا ہے وہ کامل سپردگی اور اطاعت چاہتا ہے۔ اسلام کا مطلب مکمل فرمانبرداری ہے۔ ایک بار اسلام کو قبول کر لینے کے بعد اپنی آزاد مرضی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ قریش کے قبول اسلام میں یہی چیز مانع ہوئی کہ ان کا ذاتی مفاد نظام باطل کے ساتھ وابستہ تھا۔ لہٰذا ان کی ترجیح وہی نظام تھا۔ اسی لئے ابو جہل آنحضرت ﷺ کے پیچھے پیچھے جا کر لوگوں کو قبول اسلام سے روکتا اور باطل دین پر جمے رہنے کی دعوت دیتا۔ داعی کو واضح طور پر سمجھ لینا چاہئے کہ ہر نفع و نقصان سے بالاتر ہو کر محض دین اسلام کی دعوت دینا ہے۔ اس میں اس کی اپنی ترجیحات کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ خواہ ایسا کرنے سے اس کا نقصان ہی کیوں نہ ہو۔ اپنی ترجیحات کی پیروی کو قرآن نے اپنی خواہش کو الٰہ بنانے کا نام دیا ہے[38]۔ خواہش نفس کو خدا بنانے کا مطلب یہ ہے کہ جتنی اطاعت اللہ کی مطلوب ہے ہر معاملے میں اپنی خواہش کی اتباع کرنا ہے۔ مولانا کی رائے میں یہ بھی بالکل ویسا ہی شرک ہے جیسا شرک کسی بت یا کسی اور معبود کی پرستش کرنا ہے[39]۔ محض خواہشِ نفس کی اتباع کرنے والے کے لیے صحیح و غلط میں امتیاز کرنا ممکن نہیں رہتا۔

درج بالا آیت میں اظہارِ دین یعنی دین کے قیام یا غلبہ کی ذمہ داری اس امت کے سپرد کی گئی ہے جو کہ دعوت اور عبادتِ رب کا لازمی نتیجہ ہے۔ اللہ نے اپنے رسول کو دینِ حق دے کر بھیجا ہے تاکہ اس کو دنیا میں نافذ کیا جائے۔ عربی زبان میں دین سے مراد نظام حیات ہے۔ سورہ یوسف کی آیت نمبر 76 میں بادشاہ مصر کے قانونِ جرم وسزا کو بیان کرنے کے لیے بھی دین الملک کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ ان معنوں میں یہ امر واضح ہے کہ دنیا کا ہر نام غلبہ چاہتا ہے۔ مگر درج بالا آیت میں یہ وضاحت ہے کہ اسلام کا مقام یہ ہے کہ اس کو دنیا کا غالب نظام بنایا جائے۔ غلبہء دین کا پہلا مرحلہ افرادِ کار کی تیاری ہے۔ افرادِ کار دعوت کے ذریعے مہیا ہوتے ہیں۔ دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرنے کی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے امت مسلمہ کو منظّم کوششوں کی ضرورت ہے۔ لہٰذا دعوت کے ذریعے افراد کو منظّم گروہ کی شکل میں ترتیب کیا جائے۔ انبیاء علیہم السلام نے اسی طریقے سے عوام کی تربیت کرکے انقلاب برپا کئے۔ اسی تبلیغ کے ذریعے عوام کی تربیت کرکے ہمہ گیر اسلامی انقلاب برپا کیا جاسکتا ہے۔ جس کے ذریعے سے اسلام کو غلبہ حاصل ہوگا۔

عصر حاضر میں دعوتی حکمت عملی:

دعوت و تبلیغ کے فریضے کا تقاضا ہے کہ اس میں حکمت سے کام لیا جائے۔ قرآن میں ہے:

" ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَن "[40]

"اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت، عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دو اور بہترین طریقے پر مباحثہ کرو"

حکمت سے مراد دعوت میں یہ ہے کہ دعوت کی مقدار، اسلوب، مخاطب کا ذہنی معیار، یہ سب امور نہایت توجہ سے طے کیے جائیں۔ عوامی جلسوں کی طرح ہر کسی کو ایک ہی انداز میں، موضوعات کا موقع کی مناسبت سے انتخاب کیے بغیر اور اپنی سہولت کے مطابق اوقات میں تبلیغ نہ کی جائے۔ بلکہ دانائی کے ساتھ مخاطب کی ذھنی استعداد، ماحول اور حالات کو سمجھ کر بات کی جائے۔ جس شخص یا گروہ سے بھی سابقہ پیش آئے؛ پہلے اس کی ضرورت کو سمجھا جائے پھر ایسے دلائل سے اس سے بات کی جائے جو اس کے دماغ سے مسئلہ کی جڑ ختم کر سکتے ہوں۔ عمدہ نصیحت سے مراد کہ ہے کہ مخاطب کو صرف دلائل سے ہی مطمئن نہ کیا جائے بلکہ اسکے جذبات کو بھی اپیل کی جائے۔ برائیوں اور گمراہیوں کا محض عقلی حثیت سے ہی ابطال نہ کیا جائے بلکہ انسان کی فطرت میں جو برائی سے پیدائشی نفرت پائی جاتی ہے اسکو ابھارا جائے اور انکے برے نتائج کا خوف دلایا جائے۔ ہدائت اور عملِ صالح کی محض عمدگی اور خوبی صرف عقلاً ہی ثابت نہ کی جائے بلکہ ان کی طرف رغبت اور شوق بھی دلایا جائے۔

دوسرا یہ کہ نصیحت ایسے طریقے سے دی جائے جس سے دل سوزی اور خیر خواہی ٹپکتی ہو۔ مخاطب یہ نہ سمجھے کہ ناصح اس کو حقیر سمجھ رہا ہے۔ بلکہ یہ محسوس ہو کہ ناصح کے دل میں اس کے لئے تڑپ ہے۔ وہ اس کی اصلاح اور بھلائی چاہتا ہے۔ طریق بحث کی عمدگی اور خوبی سے مراد ہے کہ مناظرہ بازی مقصود نہ ہو بلکہ یہاں بھی اصلاح مقصود ہو۔ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰؑ کی دعوت میں حکمت اور مجادلہء احسن کے بہترین نمونے ملتے ہیں۔ دعوت اپنے مرجع، مخاطب، ماحول اور مقدار کے تناسب کے ساتھ دی جائے تو ہی متاثر کن ہو سکتی ہے۔ ایک معاصر مفکر نے بنیادی درجات طے کیے۔ انہوں نے پیغمبرانہ دعوت کو ایک مرحلہ قرار دیا۔ اور اس میں دعوت، انذار، اتمام حجت اور ہجرت و برائت اور جزا و سزا کے مراحل ذکر کیے۔ اس کے بعد امت کی دعوت کو انہوں نے ذریت ابراہیم کی دعوت کے عنوان سے بیان کیا۔ اور اس کو امت کی بڑی اہم اور نازک ذمہ داری قرار دیا۔ ان کے مطابق اس ذمہ داری میں کوتاہی کے باعث بنی اسرائیل منصب سے محروم کیے گئے۔ اگر ہماری امت یہ ذمہ داری درست طور پر ادا نہیں کرے گی تو یہود والے انجام سے دو چار ہو گی۔ تیسرے درجے میں انہوں نے علما کی دعوت ذکر کی اور اس میں سورہ توبہ کی آیت نمبر 122 کے ضمن میں متخصصین کی دعوت ذکر کی۔ اس کے بعد ریاست کی دعوت کا تذکرہ کیا اور اس کے تحت امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے نظم کو ظاہر کیا۔ آخر میں فرد کی دعوت ذکر کی اور اس میں اصلاح بین الناس کے مضامین کو بیان کیا[41]۔

حضرت نوح، حضرت ابراہیم، یوسف، موسی، عیسی اور حضرت محمد کے دعوتی اسالیب میں موقع و محل کے تنوع کے اعتبار سے حکمتِ تبلیغ کے نمونے موجود ہیں[42]۔ درج بالا انبیا کرام میں سے ہر ایک کی دعوت ایک مختلف ماحول کے حساب سے دعوتی اسلوب کی وضاحت کرتی ہے۔ ان نمونہ ہائے دعوت سے راہنمائی لے کر بہترین نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔

انبیا کی دعوت میں حکمت کا ایک مظاہرہ یہ بھی ہے کہ داعی کبھی یہ طے نہیں کرتا کہ اب دعوت بے فائدہ ہے لہٰذا اب ترک کر دی جائے۔ اللہ نے حضرت موسی کو فرعون کے پاس بھیجتے ہوئے، وقت کے بہترین انسان کو وقت کے بدترین انسان کے بارے میں یہ

فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں دیا[43] . بلکہ اس کے لیے بھی نرمی کے ذریعہ اظہار کو پسند فرمایا۔ لہٰذا یہ کسی اور انسان کے لیے بھی ممکن نہیں کہ دعوت میں درشتی، بداخلاقی یا کٹ حجتی سے پیش آئے۔ کسی مرحلے پر داعی کا ایسا فیصلہ حجت کو نامکمل چھوڑنے یا کتمان حق کے مترادف ہو گا۔ یہود کے کتمان حق کی نشاندہی کرکے بالواسطہ طور پر اس امت کو کتمان کے جرم سے خبر دار کیا جارہا ہے[44]۔ نبی کریم ﷺ کا اسوہ بھی حجت کے اتمام کا ثبوت پیش کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی طرف سے حجت پوری کرنے کا نہایت اہتمام تھا۔

فریضہ دعوت میں حکمت ہر مرحلہ میں مطلوب ہے۔ ان میں دعوت کے مواد کا موقع و محل کے مطابق انتخاب، دعوت کی پیشکش کا انداز، داعی کے ضروری اوصاف، مدعو کے حقوق کا ادراک، مدعوین کی علم، عقیدہ، معاشی و معاشرتی حالت اور نفسیات کے لحاظ سے درجہ بندی کرکے اس کے مطابق اسلوب اختیار کرنا وغیرہ شامل ہیں۔ تاہم امورِ دعوت کی پیشکش میں حکمت ان تمام اوصاف کا احاطہ کرتی ہے جو داعی کے کردار میں بدرجہ اتم موجود ہونے چاہیں۔ ان میں داعی کا اخلاق، دلسوزی، مدعو کے ساتھ ہمدردی، اور فریضہ دعوت کے ساتھ اخلاص بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ تاہم اس کے ساتھ داعی کو یہ بھی باور کرادیا جاتا ہے کہ اس کے ذمہ صرف ابلاغ ہے۔ ہدایت کی عطا اللہ کے اختیار میں ہے اور وہ صرف ان کے لیے ہے جو ہدایت چاہیں۔ جو خود گمراہی چاہیں ان کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا[45]۔ اس کے ساتھ ساتھ کار دعوت میں تدریج کو نہایت اہمیت حاصل ہے۔ یہ ایک دن میں ہو جانے والا کام نہیں۔ اس کی مثال ایک دہقان کے عمل سے دی گئی ہے کہ صرف بیج ڈال کر اس کا کام ختم نہیں ہو جاتا بلکہ آخر وقت تک اس کو متوقع اور غیر متوقع مسائل و خطرات سے اپنے کھیت کو بچانا ہے۔ بالآخر مقصد حاصل ہونے کی توقع کی جاسکتی ہے[46]۔ خود نبی اکرم کی تبلیغی جدوجہد بھی اسی کی آئینہ دار ہے۔ اور اللہ نے خود قرآن میں بھی بتایا کہ یہ قرآن تھوڑا تھوڑا کرکے اسی لیے نازل ہو رہا ہے تاکہ اس کے ذریعے سے آپ کے دل کو تقویت بخشیں[47]۔ دین کے احکام بھی تدریج کے ساتھ آئے۔ لہٰذا داعی کے لیے اس کا لحاظ نہایت ضروری ہے۔ اس کے علاوہ حکمت کا تقاضا ہے کہ مخاطب کی نفسیات کا لحاظ رکھا جائے۔ دعوت کی مثال بھی زمین سے دی جاتی ہے۔ جسطرح زمین کی بار آوری، بیج، کھاد اور موسم تمام امور فصل کے حصول کے لیے ضروری ہیں۔ اسی طرح مخاطب میں دعوت کی قبولیت، اس کا ذہنی معیار، اس کے معتقدات کی توہین کیے بغیر اس کو پیغام دیا جائے گا تو اس میں قبولیت کا امکان ہے۔ اللہ نے اسی لیے جھوٹے خداؤں کو بھی برا کہنے سے منع فرمایا[48]۔ داعی کا کلام بھی اس کے مقصد کے موافق ہونا لازم ہے۔ عمدہ زبان و بیان قابلِ فہم، مدلل اور نرم گفتگو جس کے ذریعے مخاطب کے شبہات بھی دور کیے جائیں مخاطب کو قائل کر سکتی ہے۔ نیز ایک ہی اصول یا نکتہ پر اصرار نہیں ہونا چاہیے داعی کو اپنے دلائل اور موضوعات کو موقع و محل کے مطابق بدل کر پیش کرنا چاہیے۔ تاہم مناظرہ بازی سے پرہیز کرے۔ داعی کو اپنے استدلال کی بنیادیں انبیا کی تبلیغی مساعی میں بدرجہ اتم موجود ملتی ہیں۔ نیز یہ کہ موقع و محل اور مدعو کی تبدیلی سے طرز استدلال کا نمونہ بھی بدل کر اس کے موافق اختیار کیا جاسکتا ہے۔ سب سے اہم یہ ہے کہ داعی وقت اور حالات کے مطابق جدید اسالیب اور ذرائع کو اختیار کرے۔ انبیا کے اسوہ میں اس امر کا بدرجہ اتم مظاہرہ ملتا ہے۔ ہر نبی نے اپنے دور کے جدید علم اور ذریعہ علم کو استعمال کیا اور اپنے عہد کے لوگوں کو علم و تحقیق کے ذریعے نصیحت کی[49]۔ داعی کو جدید ذرائع و وسائل میں مہارت حاصل ہونی چاہیے۔

داعی کو چاہئے کہ وہ کسی کو دعوت یا تبلیغ کرنے سے پہلے موادِ دعوت کا انتخاب دریگی سے کرے، مثلاً موضوع جدید اور اس وقت کے لحاظ سے اہم معلوم ہو۔ الفاظ اور جملوں کا استعمال سوچ سمجھ کر کیا جائے نئی نئی تشبیہات واستعارات اور جدید ادبی کنایات کا استعمال نہیں کرنا چاہئے، جو مدعو کے لیے سمجھنا مشکل ہوں۔ نیز مناسب وقت کے علاوہ جگہ اور اشخاص کا بھی مناسب انتخاب کرے۔

عصر حاضر میں درج بالا دعوتی تقاضوں اور حکمت عملی کا لحاظ ہی اسلام کو دنیا کا کامیاب تبلیغی مذہب بنا سکتا ہے۔ اگرچہ دنیا میں اس وقت بعض ادارے یہ پیشگوئی کر رہے ہیں کہ سال 2050 تک اسلام دنیا کا سب سے زیادہ آبادی والا مذہب ہوگا۔ ایک ادارے کا یہ دعویٰ ہے کہ تیس سال بعد عیسائیت کی آبادی مسلم آبادی سے کم ہو جائے گی۔ اگرچہ انہوں نے اس کی تبلیغ کے علاوہ دیگر وجوہات بیان کیں ہیں[50]۔ تاہم مسلم امت کے لیے امید کا پہلو یہ ہے کہ اگر وہ دعوت کے عصری تقاضوں کو سمجھ کر حکمت کا اسلوب اختیار کریں تو نتائج اس سے بھی زیادہ حاصل ہو سکتے ہیں۔

درج بالا امور دعوت و تبلیغ کے لازمی تقاضے ہیں۔ ان کے بغیر دعوت بے فائدہ ہو گی۔

حاصلِ بحث:

- عصرِ حاضر میں ممالک کی حدود میں تبدیلی اور کئی ممالک میں تکثیری معاشروں کے قیام کے باعث دعوت کی ضرورت و اہمیت میں اضافہ ہوا ہے۔
- عصرِ حاضر میں دعوتی امور نے قابلِ تحقیق شعبہ کی اہمیت اختیار کر لی ہے۔
- جدید دور کے داعی کو لادینیت اور الحاد جیسے چیلنجز کا سامنا ہے۔ لہٰذا داعی کو جدید علم الکلام میں مہارت حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔
- فی زمانہ حالات کے تنوع کے باعث دعوتی امور و مباحث پر نئے حالات کے تناظر میں غور و فکر کی ضرورت ہے۔
- لادینیت کے فروغ کے باعث دعوتی منہج میں تحقیق اور تنوع وقت کی اہم ضرورت ہے۔
- داعی گروہ کو دعوت کے مرجع کو واضح کرنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ غیر ضروری امور کی وجہ سے دعوت کا فریضہ متاثر نہ ہو سکے۔ یعنی دعوت جامع ضابطہ حیات، وحی الٰہی، مساواتِ نسلِ انسانی، کی طرف دی جائے۔ ارباب من دون اللہ، فرقہ پرستی، شخصیت پرستی، تقلیدِ آباء، اور اپنی بنائی ہوئی ترجیحات کی طرف دوسروں کو مائل کرنے کی نفی واضح طور پر کی جائے۔
- دعوت کے عمل میں تاثیر پیدا کرنے کے لیے دعوت و تبلیغ کے اغراض اور مقاصد کا داعی پر واضح ہونا نہایت ضروری ہے۔ دعوت و تبلیغ کا عمل بنیادی انسانی ضرورت کی تکمیل ہے۔ لہٰذا داعی کو جدید ٹیکنالوجی میں مہارت حاصل کرنے کی ضرورت ہے تاکہ معترضین کی زبان اور اسلوب میں ان کو جواب دیا جاسکے۔

@2021 by the author, this article is an open-access article distributed Under the terms and conditions of the Creative Commons Attribution CC-BY http://creativecommons.org/licenses/by/4.0/

[1]الشمس،۸،۹۔

Al- Shams, 8-10.

[2]الحج،۷۵۔

Al-Ḥajj, 75.

[3]فصلت،۳۳۔

Fuṣṣilat, 33.

[4]علامہ رشید رضا، تفسیر المنار(بیروت،دار الکتب العلمیہ)ج:4،ص:32

ʿAllama Rashīd Raḍa, tafsīr al-Manār, Beirūt: Dār al Kutub al-Ilmiyyah, 4:32.

[5]مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، حکمتِ دعوت(لاہور،ادارہ ترجمان القرآن)،ص:33

ān, 33.Maulana Abū al ʿAlā Maudūdī, Ḥikmat o Daʿwat, Lahore: Idārā Tarjumān al Qur

[6]الاعراف:59

Al-Aʿrāf, 59.

[7]ھود:50،الاعراف:59،الاعراف:85

Hūd, 50; Al-A'rāf, 59; Al-A'rāf, 85.

[8]سبا:28

Saba, 28.

[9]الشوریٰ:15

Al- Shurā, 15.

[10]المؤمنون:73

Al- Muminūn, 73.

[11]الشعراء:3

Al- Shurā, 3.

[12]یوسف:108

Yousuf, 108.

[13]ال عمران:110

Al- ʿImrān, 110.

[14]مولانا امین احسلاحی، تدبر قرآن، (لاہور، فاران فاؤنڈیشن، 2006) ج:2، ص:160

Maulana Amīn Ahsan Iṣlāḥī, Tadabbur e Qur'ān (Lahore: Faran Foundation. 2006), 2:160.

[15]محمد بن اسماعیل بخاری، الجامع الصحیح (بیروت، دار طوق النجاۃ، 1422ھ) باب الخطبہ، ایام منیٰ، ج:2، ص:176

Muḥammad bin Ismā'īl Bukhārī, Al- Jām'i al- Ṣaḥīḥ (Beirūt: Dār Ṭawq al-Najah, 1422), Bāb al- Khutbah, Ayyām e Minā, 2:176.

[16]البقرۃ:143

Al- Baqarah, 143.

[17]مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن (لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، 1983) جلد:1، ص:120،

Maulana Abū al 'Alā Maudūdī, Tafhīm Al- Qur'ān, Lahore: Idārā Tarjumān al ān:1983, Vol 1, p, 120.Qur

[18]مولانا وحید الدین، خان، دعوتِ اسلام، (لاہور، دار التذکیر، رحمان مارکیٹ، اردو بازار لاہور) ص:10

Maulana Waḥīd al Dīn Khan, Dawat e Islam, Lahore, Dār Al-Tazkīr, Raḥmān Market, Urdu Bazaar,p,10.

[19]مولانا ابوالحسن علی ندوی، حضرت مولانا الیاس قادری اور ان کی دینی دعوت (کراچی، مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد) ص:10،9

Maulana, Abū al- Ḥassan Nadwī, Ḥaḍrat, Maulana Ilyās Qādrī aur un ki deeni Da'wat, Karachi, Majlis Nashriaat Islam, Nazim abad, p 9-10

[20]T.W.Arnold, *The Preaching of Islam*, (London: Constable and company Ltd, 2nd Ed, 1913) P: 306.

[21]Ayaan Hirsi Ali, The Caged Virgin: An Emancipation for Women and Islam (New York: Free Press, 2006); Infidel: My Life (New York: Free Press, 2007); Nomad: From Islam to America (New York: Free Press, 2011); Heretic: Why Islam Needs a Reformation Now (New York: Harper Collins, 2015). 66 She is also a senior fellow at t

[22]Ali A. Rizvi, The Atheist Muslim: A Journey from Religion to Reason (New York, St. Martin's Press, 2016), 202. 7

[23]Ibn Warraq, Why I am Not a Muslim (New York: Prometheus Books, 1995); The Origins of the Koran: Classic Essay's on Islam's Holy Book (New York: Prometheus Books, 1998), ed. The Quest for the Historical Muhammad (New York: Prometheus Books, 2000); What the Koran Really Says: Language, Text, and Commentary (New York: Prometheus Books, 2002); Leaving Islam: Apostates Speak Out (New York: Prometheus Books, 2003). 8

[24]محمد سعید اشماوی (۱۹۹۹-۱۹۵-۷ء) (مصر کے ماہر قانون اور چیف جج رہے۔) (۲۰۰۹-۷ء) (میں بنچ سے ریٹائر ہوئے۔ لبرل ذہن کے نمائندہ تھے۔ اس وجہ دھمکیوں کا شکار بھی رہے۔ ان کے خیال میں سیاسی اسلام اصل اسلام سے مختلف ہے۔ امام خمینی اور سید قطب سے شریعتی تعبیر کے بارے میں ان کا واضح اختلاف تھا۔

[25]ڈاکٹر محمود احمد غازی، محاضرات فقہ (لاہور، الفیصل ناشران وتاجران کتب) ص:300، 301

Doctor, Mahmūd Aḥmad Ghāzī, Muhāḍrāt e Fiqh, Lahore, Al- Faisal Nāshrān o Tājrān Kutub, p, 300-301.

[26] قاضی عبدالدائم، سید الوراء، (لاہور، علم وعرفان پبلشرز، 2015) جلد: سوم، ص؛ 402-405

Qāḍī, ʿAbd al- Dāim, Syed al Warā, Lahore, ʿIlm o ʿIrfān Publishers, 2015, Vol 3, p, 402-405.

[27]امام محمد بن اسماعیل بخاری، الجامع الصحیح (بیروت، دار طوق النجاۃ، 1422ھ) باب الطیرۃ، ج:7، ص:135، رقم الحدیث:5753

Muḥammad bin Ismāʿīl Bukhārī, Al- Jāmʿi al- Ṣaḥīḥ, Beirūt: Dār Ṭawq al- Najah:1422A.H, Bāb al- Ṭayrah, Vol 7, p, 135, Ḥadīth No, 5753.

[28] Shoaib Malik, *Atheism and Islam: A Contemporary Discourse* (Kalam Research and Media: monograph series) 2018.

[29]http://www.islamophobia.org/reports/243-hijacked-by-hate-american-philanthropy-and-the-islamophobia-network.html, last accessed 03-04-21

[30]الحجرات:13

Al-Ḥujrāt:13

[31]Hamza Andreas Tzortzis, *The Divine Reality: God, Islam and the Mirage of Atheism* (San Clemente: FB Publishing, 2016).

[32]The Muslim Debate Initiative", accessed May 09 2021, https://thedebateinitiative.com

[33] Shoaib Malik, *Atheism and islam* p: 42

[34]علاء الدین علی المتقی الھندی، کنز العمال (بیروت، مؤسسۃ الرسالہ، 1981) ج:1، ص:3،

ʿAlā al- Dīn ʿAlī al- Mantaqī al-Hindī, Kanz al- ʿUmmāl, Beirūt, Muʾassah al- Risālah, 1981, Vol 1, p, 3.

[35]آل عمران:103

Al-ʿImrān:103.

[36]محمد بن جریر بن یزید الطبري، جامع البیان في تاویل القرآن (بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ) ج:23، ص:640

Muḥammad bin Jarīr Tabrī, Jāmiʿ al- Biyān fī Tāwīl al Qurʾān, Beirūt, Muʾassah al- Risālah, Vol 23, p, 640.

[37]الزخرف:22

Al- Zukhruf:22

[38]الفرقان:43

Al- Furqān: 43.

[39]مودودی، تفہیم القرآن، جلد:3، ص:452

Maudūdī, Tafhīm Al- Qurʾān, Vol 3, p, 452.

[40]النحل:125

Al-Naḥal: 125.

[41]جاوید احمد غامدی، میزان (لاہور، المورد ادارہ علم و تحقیق، طبع پنجم، 2009) صفحات: 532-566

Javed Aḥmad Ghāmdī, Meezān, Lahore, Al- Maurid Idārah ʿIlm wa Taḥqīq, ed. 5, 2009, p, 532-566.

[42]دعوت و تبلیغ کے عنوان سے کتاب میں فریضہ دعوت کے تمام مراحل میں حکمت، داعی کے اوصاف اور اسکے اسالیب و کلام کے خصائص کو مفصل بیان کیا گیا ہے۔ مدعو کے حقوق و واجبات، دعوت کی ناکامی کے اسباب، دعوت کے ذرائع و وسائل نیز درج بالا چھ انبیا کرام کی دعوت کے نمونوں، ان کی دعوت میں درپیش مسائل و مشکلات، ان انبیا کی دعوت کے نکات اور پھر ان کی دعوت کے حاصل ہونے والے فکری اور عملی نتائج پر مفصل گفتگو کی گئی ہے۔ بحوالہ:

فریدہ یوسف، دعوت و تبلیغ (ملتان، فیصل فدا پرنٹنگ پریس، بوہڑ گیٹ) طبع اول: 2013۔

Farīdah Yousuf, Dawat o Tablīgh, Multan, Faisal Fida Printing Press, Bohr Gate, ed. 1, p, 2013.

[43]طٰہٰ: 44

Ṭāhā: 44.

[44]البقرہ: 140

Al- Baqrah: 140.

[45]النحل، 16:37

Al-Naḥal, 16:37.

[46]اصلاحی، دعوتِ دین، ص: 152

Iṣlāḥī, Dawat e Dīn, p, 152.

[47]الفرقان، 25:33

Al- Furqān, 25:33.

[48]الانعام، 6:108

Al- Inʿām, 6:108.

[49]فریدہ یوسف، دعوت و تبلیغ، ص: 259

Farīdah Yousuf, Dawat o Tablīgh,p, 259.

[50]The demographic factors that make Islam the world's fastest-growing major religious group, https://www.researchgate.net/publication. Last accessed, 21-04-21.